اردو غزل ـــ فارسی و عربی کا موضوعاتی انجذاب

فرزانہ ریاض/ بابر نسیم آسی

ABSTRACT:

Literature is an appropriate mode for expression of thought and vision. Poetry is its most impressive and effective form of communication. It is the most beautiful and sensitive source to expresses the feelings, mood and experiences of the poet. In the literary sense the Ghazal is meant for romance and to project glamour of the feminine. The Ghazal emerged from the tashbib of the Arabic qasidah. In the beginning of advent of Islam in Iran, the Islamic Arabic civilization and literature, penetrated Persian poetry. In Persian literature the Ghazal was introduced by a poet "Roodki" in the period of Samani. Roodki was also commended by a renowned poet "Unsri" in the era of Mehmood Ghaznvi. However this was the earlier period of qasidah. The Persian literature had a remarkable influence on Urdu Ghazal. Urdu Ghazal owes its thought, mood of expression, formation, theme, canvas, from Persian literature i.e the Ghazal. That is why the great poet like Mirza Ghalib felt proud of his Persian poetry and preferred it to his Urdu poetry.

شاعری فنون لطیفہ کی نازک ترین صنف ہے اور ''غزل'' اس کی سب سے زیادہ نازک، مؤثر اور حسین صورت ہے جو اپنے خصائص اور بے مثال ہیئت کی بنا پر دنیا کی تمام زبانوں میں امتیازی وصف رکھتی ہے۔ اردو شاعری میں جتنے اصناف ہیں ان میں غزل سب سے ہر دل عزیز ہے۔ اردو کے مشہور ترین شعرا میں سے ولی، سراج، میر، غالب، مومن، آتش، ناسخ، اور داغ کی شہرت عام اور بقائے دوام کا دارو مدار صرف غزل پر ہے۔

غزل ہماری تہذیب ہے۔ لیکن دراصل فارسی ادب سے مستفاد ایک ایسی زندہ روایت ہے جو ہمارے ثقافتی

ورثہ کی زماں در زماں امین ہے۔ اردو تنقید نے بھی جس صنفِ ادب کو مبالغے کی حد تک مگر بجا طور پر سراہا ہے، وہ غزل ہی ہے۔

> ''غزل'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ ''غ، ز، ل'' ہے۔ جب یہ لفظ ''ز'' اور ''ل'' کے سکون سے بولا جائے یعنی غزل تو اس کے معانی ''سوت کا تنے'' کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:
>
> ''وَلَا تَكُوْ نُوْاا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْ لَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثاً'' (۱)
>
> ترجمہ: اور اس عورت کی مانند نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

مفسّرین نے اس آیت کی تفسیر میں مکہ کی ایک عورت ربطہ بنتِ عمرو کا ذکر کیا ہے جو بہت وہمی تھی۔ وہ دوپہر تک محنت کر کے سوت کاتتی اور باندیوں سے کتواتی۔ دوپہر کے وقت اس سب کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالتی۔ یہی اس کا معمول تھا۔ ڈاکٹر سعد اللہ کلیم اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''غ'' اور ''ز'' بالفتح کی صورت میں غزل کا لفظ حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنی ایک قرابت دار کا نکاح انصار میں کیا۔ رسول پاکؐ تشریف لائے اور پوچھا کہ تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا۔ انھوں نے کہا: ہاں! آپؐ نے پوچھا: کیا اس لڑکی کے ساتھ کوئی گانے والا بھیجا۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا نہیں۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا انصار ایک ایسی قوم ہے۔ جس میں غزل کا بہت رواج ہے۔ کاش کہ تم اس لڑکی کے ساتھ کسی کو بھیجتیں جو یوں کہتا: ہم تمھارے ہاں آئے۔ ہم تمھارے ہاں آئے پس اس نے ہمیں بھی اور تمہیں بھی سلام کیا۔ متعلقہ حصے جس میں آپؐ کی زبان سے غزل کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی اصل عبارت یہ ہے...... ''قال رسول الله صلى الله عليه وآلهٖ وسلم ان الانصار قوم فيهم غزل فلو بعثتم معها من يقول اتينا كم اتينا كم فحيانا و احياكم۔''(۲)

بعض محققین نے غزل کے لغوی معانی پر قیاس کرتے ہوئے اور اس کے ساتھ نسائیت اور غنا کے مفہوم کو شامل رکھتے ہوئے اندازہ قائم کیا ہے کہ یہ عورتوں کا وہ گیت ہے جو وہ سوت کاتتے ہوئے گاتی ہیں۔ آگے چل کر اسی مقالے میں ''یونیورسٹی آف پیرس'' کے مقالہ نگار بلاشیر (BLACHERE) نے ''غزال'' کے ساتھ اس لفظ کے معنوی تعلق کے بارے میں مثبت رائے دی ہے:

> ''غزال'' نوعمر ہرن (ہرنوٹے) کے لیے مستعمل ہے۔ عربی غزل میں اسے محبوب کے مشبہ بہ کے طور پر کثرت سے برتا گیا ہے۔''(۳)

''مفردات القرآن'' از امام راغب اصفہانی میں لکھا ہے:

> ''الغزال'' کاتے ہوئے سوت کو کہتے ہیں۔ ''غَزَ لَتْ غَزْ لاً'' سوت کا تنا، غزال: ہرنی کے بچے کو

کہا جاتا ہے۔ اَلْغَزَالَۃُ: سورج کی ٹکیہ، غزل اور مَغَازَلَۃٌ کے معانی کنایے کے طور غزال یا ہر نوٹے جیسی خوبصورت عورتوں کے ساتھ عشق و محبت اور دل بستگی کی باتیں کرنے کے آتے ہیں۔ غزل اَلْکَلْبُ غَزَالاً: کتے کا ہرن کو پا کر اس سے پیچھے ہٹ جانا۔''(۴)

''معجم العربیۃ'' (ولیم ٹامسن، ورٹے باٹ (William Thomson, Vertbaudet) کی عربی انگریزی لغت کا ترجمہ) میں لکھا ہے:

''غزالۃ؛ ہرنی کا بچہ اور طلوع ہوتا ہوا سورج، غَزَالاً، غَزَلَ، یَغْزِلُ اِغْتَزَلَ: عاشقانہ اور رجھانے کی (عورت سے) بات کرنا یا پیش آنا۔ اَغْزَلَ: تکلے کا گھمانا اور ہرنی کا بچے والا ہونا۔ تَغَزَّلَ: عاشق کی سی بات چیت اور حرکات کرنا۔ عاشقانہ انداز میں گفتگو کرنا۔ اسی طرح تَغَازَلَ اسی مفہوم میں غَزْلٌ: عاشقانہ بات چیت اور شاعری غَزَالٌ: ہرن کا جوان بچہ۔''(۵)

ابن منظور افریقی کی مرتبہ لغت ''لسان العرب'' کے مطابق:

''غزل'' کاتنے کے مفہوم میں آتی ہے۔ فاعل کے طور پر عورت مذکور ہے۔ اگرچہ غزل کا لفظ مردوں کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔۔۔''غزل'' نوجوان لڑکوں اور نوجوان لڑکیوں کی باہمی باتوں کے معانی میں بھی ہے۔ غزل عورتوں سے کھیلنے اور فضول باتیں کرنے کے معنوں میں بھی ہے۔ ''مغازلہ'' سے عورتوں کا باہم چہلیں کرنا، گفتگو اور میل محبت بھی اس کے مفہوم میں شامل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہنسی کھیل اور اظہار محبت مرد کی طرف سے عورت کے لیے تغزّل سے مراد ہے بہ تکلف ناز و ادا سے گفتگو کرنا۔ ''رَجُلٌ غَزِلٌ'' اس آدمی کو کہتے ہیں جو عورتوں کے سامنے پیار محبت کی باتیں کرے اور خاندانی افتخار کا اظہار کرے۔''(۶)

دانشامہ ادب فارسی میں غزل کی تعریف یوں کی گئی ہے:

''در لغت به معنی عشق و عاشقی کردن، سخن گفتن بازنان و عشق بازی کردن، بازی کردن بامحبوب۔''(۷)

آنندراج لکھتے ہیں:

''غزل بفتحین، حدیث زنان و حدیث عشق ایشاں کردن و سخن که در وصف زنان به عشق ایشاں گفته آید۔ در عرف شعرا چند بیت مقرری که پیش قدما زیاده از دو ازده نیست و متاخراں منحصر درا ن ندانند۔''(۸)

دکتر محمد معین ''فرھنگ فارسی'' میں یوں لکھتے ہیں:

''سخن گفتن بازنان، عشق بازی کردن، حکایت کردن از
جوانی و حدیث صحبت و عشق زنان۔''(۹)

شمس الدین محمد بن قیس رازی نے غزل کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی ہے:

''غزل در اصل لغت حدیث زناں وصفت عشق بازی باایشاں و تہالک در دوستی ایشاں است و
مغازلت عشق بازی و ملاعبت است بازنان۔''(۱۰)

شمس قیس رازی کی یہ تعریف جس کے مطابق غزل کے معنی عورتوں سے باتیں کرنا ہے۔عربی اور فارسی سے لے کر اردو زبان وادب میں ایک طویل مدت تک مقبول رہی۔مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:

''غزل کے معنی لغت میں عشق بازی کرنے اور عورتوں سے مخاطب ہونے کے ہیں۔عربی میں
کہتے ہیں کہ ''زید انغزل عمرو'' یعنی زید عشق کے مضامین عمرو سے بہتر باندھتا ہے یا
زید عمرو سے زیادہ عشق باز ہے۔''(۱۱)

ڈاکٹر سعداللہ کلیم لکھتے ہیں:

''ہرن کے چوکڑیاں بھرتے بچے کی طرف عرب ذہن اپنی شاعری میں بار بار لوٹا ہے اور محبوب
کو جب کسی شے سے تشبیہ، دینی چاہی ہے تو غزال کا تصوّر ان کے ہاں ابھرا ہے۔اس کے
نفسیاتی محرکات کو فی الوقت نظر انداز کرتے ہوئے غزال کی صفات میں سے اس کے الھڑ پن،
گریز پائی، کم یابی و کم نمائی، شوخی اور طراری کی خوبصورت سیاہ آنکھیں اور گسا ہوا بدن، ان
سب پر غور کیا جائے تو غزل کا محبوب یاد آتا ہے اور غزل کا لفظ مخصوص صفات کی حامل صنف
شعر کے لیے اختیار کرنے کی کسی حد تک سمجھ آنے لگتی ہے۔''(۱۲)

اسلام سے قبل بھی عربوں میں غزل کا ایک تصوّر تھا، مگر بنیادی طور پر غزل کا آغاز قصیدے کی تشبیب سے ہوا۔عربی زبان وادب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں قصیدے کا رواج بہت ہی مقبول تھا اور ہر شاعر اس صنف میں طبع آزمائی ضرور کرتا تھا۔قصیدے میں گریز سے پہلے کے اشعار جن میں حسن وعشق کی باتیں کی جاتی تھیں، تشبیب کہلاتے تھے۔جس کی تعریف بیان کرتے ہوئے رشیدالدین وطواط نے اپنی کتاب ''حدائق السحر فی دقائق الشعر'' میں تحریر کیا ہے:

''معشوق کا حال اور اس کے عشق میں اپنا حال بیان کرنا تشبیب ہے اور اسی کو نسیب اور غزل
بھی کہتے ہیں لیکن لوگوں میں مشہور و مستعمل یہ ہے کہ جس نظم کی ابتدا میں پریشان حالی کا ذکر
کریں اور پھر ممدوح کی مدح کے سوا جو حال چاہیں بیان کریں اس کو تشبیب کہتے ہیں۔''(۱۳)

ساتویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانے میں شمس قیس رازی نے اپنی کتاب ''المعجم فی معائیر اشعار العجم'' میں غزل کے روایتی مفہوم کے علاوہ تشبیب، نسیب اور غزل کے درمیان ہلکے سے فرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زیادہ

زور اس پر دیا ہے کہ:

''گویند چو سگ در صید بہ آہو رسد و آھوک بیچارہ گردد، بانگی ضعیف بکند از ترسِ جان، سگ را رقتی پیدا شود و ازوے باز ایستد و بہ چیزے دیگر مشغول شود۔ گویند غزل الکلب وھمانا آھورا غزل ازیں جانام نہادہ اند کہ ایں مغازلت را شائستہ است.....''(۱۴)

شمس قیس رازی کے نزدیک تشبیب ونسیب مترادف اصطلاحات تھیں۔ اس فرق کو عبدالاحد خاں خلیل نے واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''کچھ نقادانِ فن کا یہ عقیدہ تھا کہ قصائد کی تمہید میں حسن وعشق کی آپ بیتی بیان کرنے کا نام تشبیب تھا اور مدح ممدوح کی شمولیت میں حسن وعشق کی جگ بیتی بیان کرنے کا نام نسیب تھا ایک ذاتی محبت اور اصلی صورت حال کا تذکرہ تھا اور دوسرا فرضی اور روایتی محبت کی آفاقی خصوصیات کا۔''(۱۵)

مسعود حسن رضوی نے غزل اور نسیب کے متعلق بھی اپنے رائے دی ہے وہ لکھتے ہیں:

''زیادہ تر باکمال شعرا جمال معشوق کے ذکر اور احوال عشق ومحبتِ باہمی کے بیان کو غزل کہتے ہیں اور ان غزلوں کو جن میں کوئی اور حال بیان کیا جائے یا جو کسی کی مدح کا مقدمہ ہو نسیب کہتے ہیں۔ اس بیان سے رشید وطواط کی تائید ہوتی ہے اور اتنا اور معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے بعض بڑے شاعر مضامین کے اعتبار سے غزل اور نسیب میں فرق کرتے تھے مگر وہ بھی نسیب کو غزل ہی کی ایک قسم سمجھتے تھے۔''(۱۶)

ان مباحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی قصیدے میں تشبیب کے دوش بدوش اسی طرح کی ایک اور شعری صورت تھی جسے نسیب کہتے تھے لیکن دونوں میں واضح فرق تھا۔ ایک میں حسن وعشق کی آپ بیتی یعنی داخلی صورتِ حال کا بیان ہوتا تھا تو دوسری میں اس کی فرضی یعنی جگ بیتی صورتِ حال کا۔ اپنے انھیں مفاہیم کے ساتھ تشبیب ونسیب برسوں تک عربی شعر و اب کا حصّہ بنی رہی۔

عرب میں دورِ جاہلیت سے ہی عربی قصیدے کو عروج حاصل تھا۔ عرب شعرا اپنے قصیدے کی ابتدا میں اپنے محبوب کی خوبصورتی اور اپنے عشق کا بیان کرتے تھے۔ بقول ڈاکٹر طٰہٰ حسین:

''......جاہلی شعرا اپنی غزلیہ شاعری میں لطیف احساسات اور پاکیزہ جذبات کی عکّاسی نہیں کرتے بلکہ ان کی غزل ایک طرح سے 'عورت کا سراپا' ہے۔''(۱۷)

مثال کے طور پر عربی شاعر ''امراؤ القیس'' کے قصیدے کی تشبیب یا نسیب کا ایک شعر:

''مهفهفة بيضاء غير مُفاضة''

ترائبها مصقولة كسجنجل

ترجمہ: میری محبوبہ گوری چٹی اور پتلی کمر والی ہے اس کا پیٹ ڈھلکا ہوا (بدنما) نہیں ہے۔ اس کا سینہ آئینہ کی طرح چمکتا اور شفاف ہے۔''(۱۸)

جب اسلام کا آغاز ہوا اور ایران مسلم عرب کے زیر اقتدار آیا تو اس کی اپنی تہذیب وتمدن اور ادب پر عربی اثرات واضح ہونے لگے۔ چنانچہ انھوں نے عربی شاعری کے اصول وضوابط پر اپنے شعر و ادب کو پرکھنے اور عربی شاعری کے اثر سے اپنی زبان کو دو نئی صنفِ سخن مثنوی اور غزل سے آشنا کرایا۔ فارسی شعر و ادب کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اہلِ فارس کے محکوم ہونے کے بعد غزل اپنی انتہائی شکل یعنی تشبیب اور نسیب کی صورت میں مستعمل رہی لیکن رفتہ رفتہ اس میں تبدیلیاں آتی گئیں۔ علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے:

''قصیدے کی ابتدا میں عشقیہ اشعار کہنے کا دستور تھا۔ اس حصّے کو الگ کر دیا تو غزل بن گئی۔ گویا قصیدے کے درخت سے ایک قلم لے کر الگ لگا لی۔''(۱۹)

علامہ شبلی نے ایک دوسری جگہ لکھا ہے:

''شعرا نے سلاطین کی مداحی کے لیے شاعری شروع کی اور چونکہ وہ عرب کی تقلید کرتے تھے، اس لیے قصائد کی ابتدا میں عشقیہ اشعار بھی کہتے تھے۔ جن کو عربی میں تشبیب ونسیب کہتے تھے۔ اسی کا دوسرا نام غزل ہے۔''(۲۰)

اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ایران میں شاعری کی ابتدا قصیدے سے ہوئی۔ قصیدہ ایران میں نہیں تھا، عربوں کے پاس تھا۔ ایرانیوں نے قصیدے میں عربی قصیدے کی پیروی کی۔ گویا قصیدہ عربی سے فارسی میں آیا۔ اسی طرح غزل بھی عربی قصیدے کی تشبیب سے فارسی میں آئی۔ غزل یوں قصیدے کی تشبیب یا نسیب سے قریب آ جاتی ہے کہ اس میں بھی محبوب کے حسن و جمال کی تعریف وتوصیف ہوتی ہے اور مدحیہ مضامین بھی قصیدے کا موضوعِ خاص ہیں۔ حامد اللہ افسر نے لکھا ہے:

''اس میں شک نہیں کہ غزل ان معنوں اور اس شکل میں اہلِ ایران کی ایجاد ہے کہ فارسی اور اردو کے علاوہ کسی تیسری زبان میں اس صنفِ سخن کا اس عنوان سے وجود نہیں ملتا۔ عربی قصائد میں تشبیب کے طرز پر کبھی کبھی نسیب کا وجود ملتا ہے۔ نسیب مضمون کے اعتبار سے قریب ہے۔ لیکن چونکہ نسیب میں مضامین مسلسل اور ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں اس لیے نسیب کی غزل سے مشابہت باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح انگریزی میں SONNET بھی اگرچہ مضمون کے لحاظ سے عشقیہ ہوتا ہے لیکن اس پر غزل کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔''(۲۱)

جدید فارسی شاعری اپنے مخصوص اصطلاحی مفہوم میں، اصلاً اس تجربے کی پیداوار ہے جو فارسی میں عربی اوزان اور اصناف کو اختیار کر لینے سے وجود میں آیا۔ یہ تجربہ پہلے پہل ان آزاد ایرانی درباروں میں کیا گیا جن کا تعلق خراسان کے صوبے سے تھا اور ان لوگوں کے ہاتھوں کیا گیا جو عربی کا مکمل علم رکھتے تھے۔ مزید یہ کہ عربی سے یہاں مراد

عربی النسل نہیں کیونکہ بہت سے عربی شعرا جن کا تعلق اس دور سے ہے ایرانی النسل تھے۔

فارسی میں سب سے پہلا غزل گو کون گزرا ہے؟ اب تک یہ صحیح طور پر متحقق نہیں ہو سکا ہے لیکن جہاں اور اصنافِ شاعری کی اوّلیت کا سہرا دور سامانیہ کے مشہور شاعر رودکی کے سر بندھا ہے وہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے رودکی نے غزل کہی۔ رودکی (۸۸۰ء تا ۹۴۱ء) کے بارے میں مولانا شبلی نعمانی ''شعرالعجم'' میں لکھتے ہیں:

''فارسی شاعری کا آدم رودکی خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے زمانے میں غزل کی صنف مستقلاً وجود میں آ چکی تھی۔ عنصری کہتا ہے:

غزل رودکی وار نیکو بود
غزل ہائے من رودکی وار نیست

رودکی نے نہ صرف یہ کہ قصیدے سے نسیب کو الگ کر کے غزل کا پیکر تیار کیا، اس کے برتنے کا پہلا عملی تجربہ کیا بلکہ غزل میں عشقیہ شاعری کا ایک معیار بھی قائم کر دیا۔'' (۲۲)

مولانا شبلی نے رودکی کے دو شعر پیش کیے ہیں:

دشوار نمائی رخ و دشوار دہی بوس
آساں بربائی دل و آساں ببری جاں

ببردہ نرگس تو آب جادوے بابل
کشاہ غنچۂ تو باب معجز عیسیٰ (۲۳)

رودکی کا نام ابوعبداللہ تھا اور بعض محققین اسے پیدائشی نابینا کہتے ہیں۔ درحقیقت اواخر عمر میں بینائی سے محروم ہوا۔ موسیقی کا ماہر تھا۔ خاص طور سے رود (ایک ساز) بجاتا تھا۔ اس وجہ سے محققین کا خیال ہے کہ غزل کا موجد یہی رہا ہو گا۔ رودکی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ فارسی زبان کی وہ پہلی غزل جس میں تخلص کا استعمال ہوا، وہ رودکی سے منسوب ہے:

دلا تا کی ھمی جویی منی را
چہ داری دوست ھرزہ دشمنی را
چرا جویی وفا از بی وفایی
چہ کوبی بیھدہ سرد آھنی را
دل من ارزنی عشق تو کوھی
چہ سایی زیر کوھی ارزنی را (۲۴)
بیا اینک نگہ کن رودکی را
اگر بی جان روان خواھی تنی را

سامانی دور میں ہی رودکی کے ہم عصر شہید بلخی کے کچھ اشعار ملتے ہیں جو غزل کی صنف میں ہیں محققین اسے فارسی کی پہلی غزل شمار کرتے ہیں:

مرا بہ جان تو سو گند و صعب سوگندی
کہ ہر گز از تو نگردم نہ بشنوم پندی
دھند پندم و من ہیچ پند نپندیرم
کہ پند سود ندارد بہ جای سوگندی
شنیدم ام کہ بہشت آن کسی تواند یافت
کہ آرزو برساند بہ آرزومندی
ترا سلامت باد ای گل بہار و بہشت
کہ سوی قبلۂ رویت نماز خوانندی (۲۵)

سامانی دور میں ہی دقیقی نے شاہ نامہ بھی نظم کرنا شروع کیا تھا لیکن وہ ناتمام رہا۔مولانا شبلی نے ان کی ایک غزل شعرالعجم میں درج کی ہے:

در افگند اے نسیم ابر بہشتی
زمیں را خلعت اردی بہشتی
جہاں طاؤس گونہ گشت گوئی
بجاے نرمی و جاے درشتی
ز گل بوے گلاب آید بدینساں
کہ پنداری گل اندر گل سرشتی
دقیقی چار خصلت برگزیدہ است
بہ گیتی از ہمہ خوبی و دزشتی
لب یاقوت رنگ و نالۂ چنگ
مئے خوں رنگ و کیش زردہشتی (۲۶)

فارسی شاعری میں جس شاعر نے غزل کو ترقی کی راہ پر لگایا وہ حکیم سنائی ہیں۔گو کہ ان کی تصانیف میں حدیقۃ الحقیقت، طریق تحقیق۔کنز رموز،عشق نامہ اور عقل نامہ ہیں اور ان کتابوں کے حجم کے مقابلے میں غزلوں کی تعداد بہت کم ہے لیکن ان کی غزلیں زیادہ ادبی وقعت رکھتی ہیں۔اگر چہ سنائی سے پہلے غزل کا وجود ملتا ہے اور قصیدے میں بطور تشبیب استعمال ہوتی رہی ہے لیکن سنائی وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے غزل کو علیحدہ صنف سخن کے طور پر پیش کیا۔ان کی شاعری میں بھی محبوب مرد کے طور پر آیا ہے اور انہوں نے محبوب کو''ای یار'' ''ای دوست'' 'ای

جانا'' ''ای دلبر'' ''ای جاناں'' کے ساتھ ای پسر کہہ کے بھی مخاطب کیا ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ عورت کو پہلی مرتبہ محبوب کے طور پر خطاب کیا گیا ہے:

معشوق کہ او چابک و چالاک نباشد
آرام دل عاشق غمناک نباشد (۲۷)

سنائی کے بعد اوحدی مراغی نے غزل کو جدّ ت اور نزاکت خیال سے لبریز کیا۔ ساتھ ہی ساتھ زبان کی صفائی، روانی اور سلاست بھی پیدا کی۔ اوحدیؔ کے بعد خواجہ فریدالدین عطار، مولانا روم، اور عراقیؔ نے غزل کی طرف توجّہ کی۔ لیکن یہ سب کے سب صوفی تھے اور تصوّف کے بادہ سے سرشار ہو رہے تھے، جو عام مذاق شاعری سے الگ رنگ تھا۔ اس لیے ان لوگوں کی غزلوں کو خاص شہرت نصیب ہوئی۔

سعدیؔ زبان کے مالک تھے اور اظہار خیال پر قدرت رکھتے تھے۔ انھوں نے مدتوں کوچۂ عشق و عاشقی کی سیر کی اور انہیں پیمبر غزل مانا گیا۔ زاہدوں اور واعظوں کی صحبتوں سے لطف اٹھائے۔ آخر زمانہ میں صوفیوں کی صف میں آئے، شاعری فطرتاً حصّہ میں آئی تھی۔ حقیقی معنوں میں غزل کے موجد یہی ٹھہرے۔ ان کے بعد ہی امیر خسرو اور حسن دہلوی نے اس مے کو دو آتشہ کیا۔ خسرو نے ہندوستان میں رہ کر اپنی شاعری سے ایرانیوں کے دلوں کو تسخیر کیا اور صرف یہی نہیں کیا کہ فارسی شاعری کی ترقی میں دلچسپی لی ہو بلکہ ہندوستانی زبان کو بھی تقویت پہنچائی۔

اہلِ فارس نے غزل کو صدیوں تک سجایا سنوارا اور اس قدر پروان چڑھایا کہ یہ صنف نہ صرف قصیدے کے بالمقابل آن کھڑی ہوئی بلکہ سب کی محبوب بن گئی۔ پھر موضوعات کے لحاظ سے ایرانی شعرا و صوفیا نے غزل کے ممکنات معنوی کو جس طرح منکشف کیا اور مجاز کے استعاروں میں اسے بندے اور خدا کے درمیان ایک داخلی رابطے کا مظہر بنا دیا۔ اس بات سے اردو یا فارسی کسی بھی زبان و ادب کا طالب علم انکار نہیں کرسکتا۔

جہاں تک فارسی غزل پر عربی کے اثرات کا تعلق ہے، تو بعض چیزیں ایسی ہیں جو فارسی نے عربی سے لیں۔ مثال کے طور پر فارسی میں بحریں اکثر و بیشتر عربی عروض سے مستعار لی گئی ہیں۔

عروض کے بیشتر اوزان و بحور کا دریافت کنندہ خلیل بن احمد بصری ہے، جو عرب تھا اس لحاظ سے فارسی میں دوسری اصناف کی طرح غزل کی بحریں بھی عربی عروض سے ماخوذ ہیں۔ غزل نے براہ راست باتیں کہنے کے علاوہ کچھ علائم (SYMBOLS) سے بھی کام لیا ہے، مثلاً جنون، زندان، زنجیر، بہار و خزاں وغیرہ۔

اس سلسلے میں غزل کے بعض علائم ایسے ہیں جن کا تعلق عربی سے ہے۔ مثال کے طور پر چشم آہو، صراحی دار گردن، سیاہ زلفیں۔ یہ تشبیہات عربی سے ماخوذ ہیں۔ کیونکہ عربی میں حُور اس خوبصورت عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں ہرن کی طرح بڑی اور سیاہ ہوں اور وہ صراحی دار گردن والی ہو۔ قرآن مجید میں ''حور مقصورات'' اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح فارسی غزل میں ترصیع، تسجیع اور قافیہ پیمائی، عربی قصائد اور صنعت ترصیع کی نقالی ہے۔ اس کے علاوہ ہواؤں کے ذریعے پیغام بھیجنا اور سراسیمگی کے عالم میں دل سے تخاطب کرنا بھی، عربی اثرات کہے جا سکتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عربی شاعر منازلِ محبوب سے گزرتے ہوئے، دیارِ محبوب کے کھنڈرات دیکھ

کر محبوب کی یاد میں آنسو بہاتا ہے، اور غزل کا شاعر کُوئے یار اور کوچۂ محبوب میں سرگردانی کو آدابِ عشق گردانتا ہے۔ لیلیٰ مجنوں کے قصّے کے علاوہ بھی بعض تلمیحات عربی سے آئیں، جن میں قرآنی تلمیحات بھی شامل ہیں۔

غزل کی طرح ساقی بھی عربی لفظ ہے۔ اس کا کوئی بدل فارسی غزل میں نہیں ہے۔ اسی طرح ''صرصر'' خالص عربی لفظ ہے۔ چنانچہ ''صرصر'' عادمشہور ہے جس کا تعلق عرب کے ریگستانوں سے ہے۔ اسے بادِصرصر یا بادِ سموم کہتے ہیں۔ فارسی غزل میں بھی بادِصرصر کا ذکر اسی نسبت سے آیا ہے۔

ڈاکٹر وقار احمد رضوی لکھتے ہیں:

> ''محبوبہ کو غزال سے تشبیہ، دینا خالص عربی تشبیہ، ہے۔ اسی طرح حیا سے آنکھیں نیچی رکھنا، عربی محاورے غض البصر کا ترجمہ ہے۔ نیز اعراض کا محاورہ بھی عربی ہے جس کے معنی ہیں منہ موڑنا، بے رُخی، بے اعتنائی، بہت ممکن ہے فارسی میں تجاہل عارفانہ اسی سے ہو۔ اس کے علاوہ مشامِ جان کو مشک وعنبر سے معطر کہنا جیسے بادِ صبا، قرنفل زار یا لونگ کے کھیتوں پر سے گزر کر آئی اور نکہتوں کے قافلے اپنے ساتھ لائی ہو۔ تیرِ نظر سے دلِ شکستہ کو گھائل کرنا، پتلی کمر، چمک دار پیشانی، دانتوں کو موتیوں سے تشبیہ، دینا، یہ سب مضامین عربی شاعری اور فارسی غزل دونوں جگہ مشترک ہیں۔''(۲۸)

مضامینِ غزل جیسے فارسی میں ہیں، اگر ان کو موضوع بحث بنایا جائے تو بعض مضامین عربی اور فارسی غزل میں مشترک نظر آتے ہیں۔

امراؤالقیس کا شعر ہے:

> ''الا ایها اللیل الطویل الاانجلی
> بصبح وما الا صباح منك با مثل
>
> ترجمہ: اے ہجر کی رات! تو صبح کیوں نہیں ہو جاتی۔ مگر ہاں صبح بھی تجھ سے بہتر نہیں ہے۔ یعنی میرے لیے ہجر کے صبح و شام سب ایک سے ہیں۔ دن میں بھی وہی جدائی کے صدمے سہنا پڑتے ہیں۔
>
> و تصدقت حتی استبتك بو اضع
> صلت کمن تصب الغزال الاطلع
>
> ترجمہ: محبوبہ نے تجھے دیکھ کے منہ پھیرلیا۔ یہاں تک اس نے روشن کُشادہ پیشانی سے تجھے اسیر کرلیا۔ وہ محبوبہ صراحی دار، لمبی گردن والے آہُو کی طرح ہے۔''(۲۹)

یہ خیال خالص غزل کا مضمون ہے۔ فارسی غزل میں اس خیال کو بار بار باندھا جاتا ہے۔ صراحی دار، لمبی گردن ہونا، چشم آہو اور کشادہ پیشانی کا تذکرہ فارسی غزل میں بھی محبوب کے سراپا کے ضمن میں آتا ہے۔

اردو میں صنفِ غزل کا آغاز و ارتقا:

تقریباً ۱۰۰۰ء تک اردو زبان کا ڈیل ڈول تیار ہو چکا تھا اور ۱۱۰۰ء تک آتے آتے مقامی زبان اردو اس قابل ہو گئی تھی کہ اس میں غزل گوئی کا آغاز ہوا۔ لیکن اردو غزل کی تاریخ کے بارے میں ہمیں ۱۲۲۰ء سے قبل کا کوئی ثبوت یا ذکر نہیں ملتا۔ ۱۲۲۰ء سے ۱۲۲۷ء کے درمیان فارسی کا پہلا تذکرہ ''لباب الالباب'' لکھا گیا۔ اس میں محمد عوفی نے فارسی شاعر مسعود سعد سلمان کے اردو دیوان کا ذکر کیا ہے:

''او را سہ دیوان است۔ یکے بتازی و یکے بپارسی و یکے بہندوی۔'' (۳۰)

مسعود سعد سلمان کے اس دیوان کی تصدیق امیر خسرو کے ''غرۃ الکمال'' کے دیباچے سے بھی ہوتی ہے:

''پیش ازیں شاہان سخن کسی راسہ دیوان نبودہ مگر مرا کہ خسرو ممالک کلامی مسعود سعد سلمان را اگر ہست اما آں سہ دیوان در عبارت عربی و فارسی و ہندی است و در پارسی مجرّد کسے سخن راسہ قسم نہ کردہ جز من کہ دریں کار قسام و عادلم۔'' (۳۱)

مسعود سعد سلمان کا زمانہ ۱۰۴۶ء سے ۱۱۲۱ء تک کا ہے۔ اسی بنا پر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو غزل گیارھویں صدی عیسوی کی ساتویں دہائی سے لکھی جانے لگی تھی۔

مسعود سعد سلمان کے بعد بابا فرید گنج شکرؒ سے منسوب ایک ریختہ اور چند اشعار ملتے ہیں۔ حافظ محمود شیرانی پنجاب میں اردو میں لکھتے ہیں کہ:

''سب سے پہلے اردو شاعر اور سب سے پہلے غزل گو حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ تھے۔ ان کا وصال ٦٦٦ ھجری مطابق ۱۲۴٦ء میں ہوا۔ یہ پنجاب کے رہنے والے اور صاحب کمال صوفی تھے۔'' (۳۲)

حافظ محمود شیرانی نے اپنے اس نظریے کے ثبوت میں بابا فرید گنج شکرؒ کی ایک غزل بھی شہادت کی بنا پر پیش کی ہے:

وقتِ سحر وقت مناجات ہے
خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادہ کہ بگوید ترا
خُسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
بادم خود ہمدم ہشیار باش
صحبت اغیار بوری بات ہے
با تن تنہا چہ روی زیرِ زمیں
نیک عمل کن کہ وہی سات ہے

پند شکر گنج بجاں گوش کن
ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے (۳۳)

اردوغزل پر فارسی غزل کے اثرات:

اردوغزل پر فارسی تغزّل کا اثر نمایاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردوغزل فارسی سے پیدا ہوئی ہے۔ فارسی کے نمونے شعرا کے پیش نظر تھے۔ اردوغزل نے تشبیہات، نادر مضامین اور تراکیب فارسی سے اخذ کیں۔ غالبًا اس کا رواج اس وقت سے ہوا جب سعداللہ گلشنؔ نے ولی اورنگ آبادیؔ کو یہ ہدایت کی کہ:

''ایں ہمہ مضامین فارسی کہ بیکار افتادہ اند، در ریختہ خود بکار ببر از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت۔''(۳۴)

ولیؔ نے اس مشورے کو قبول کیا اور فارسی شاعری کا تتبع کیا۔ اگر تاریخ ادب اردو کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ولیؔ سے قبل دکنی شعرا کی غزلیات پر فارسی اثرات ملتے ہیں۔ ان شعرا نے فارسی تراکیب اور اس کی تشبیہات واستعارات کو قبول کیا ہے۔

قطب شاہی شعرا میں جن شاعروں نے غزلیں لکھیں اور جو دستیاب ہیں، ان میں محمد قلی قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، غواصی اور شاہ سلطان کی غزلیات میں فارسی اثرات ملتے ہیں۔

محمد قلی اردو کا پہلا شاعر ہے جس نے فارسی کے تتبع میں حروف تہجّی کے اعتبار سے اپنے کلیات کو مرتب کیا۔ نصیرالدین ہاشمی نے محمد قلی پر فارسی کے اثر کی وجہ سے اس کو اردو کا حافظؔ و خیامؔ کہا ہے۔ غلام آسی رشید لکھتے ہیں:

''دکنی غزل کا مے خانہ محمد قلی کے نام سے معمور ہے۔...... اس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی شاعری سے پوری طرح واقف تھا۔ حافظ شیرازی کا اس کی شاعری پر واضح اثر ہے۔ انوریؔ، خاقانیؔ، نظامیؔ، عنصریؔ اور ظہیرؔ نارپابی کے نام اس کی شاعری میں آتے ہیں۔ محمودؔ اور فیروز جو بنیادی طور پر غزل گوشعرا تھے کی اتباع میں محمد قلی غزل کو بنیادی صنف کے طور پر استعمال کرتا ہے۔''(۳۵)

خود محمد قلی نے فارسی شعرا کی ہمسری کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کا ایک شعر ہے:

نزاکت شعر کے فن میں خدا بخشا ہے توں تج کوں
معانیؔ ، شعر تیرا ہے کہ آیا ہے شعرِ خاقانی

جس زمانے میں دکنی شعرا نے غزل کہنا شروع کی۔ اس وقت فارسی غزل ہندوستان پہنچ چکی تھی۔ رودکیؔ، فردوسیؔ، خاقانیؔ، انوریؔ، نظامیؔ، سعدیؔ اور حافظؔ کی غزلیں ایران سے نکل کر ہندوستان اور دکن پہنچ چکی تھیں۔ خود ہندوستان میں امیر خسروؔ، ظہوریؔ اور کلیمؔ کی شاعری کا چرچا تھا۔ دکن میں اردو کے غزل گوشعرا نے انھی شعرائے فارسی کی غزلوں کو نمونہ بنایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو غزل پر ابتداء ہی سے فارسی کا اثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو غزل نے فارسی سے اسالیب، علائم، تشبیہ و استعارہ لیے۔ فارسی محاوروں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا، مثلاً عرق ہونا، چشمک زنی، دل فریفتہ کرنا، پیمانہ بھرنا اور سوس کی زبان فارسی اثر ہے۔ اسی طرح عاشق بادہ خوار، گل رخسار، سنبل و ریحان، زلفِ دوتا، نرگسی آنکھیں، بہار موسمِ جوانی ہے، گل و بلبل، عروسِ گلشن، آبِ رواں، عمرِ گزراں یہ سب فارسی خیالات ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی تلمیحات ہیں جو فارسی قصّوں اور داستانوں سے ماخوذ ہیں، جیسے شیریں فرہاد، مانی و بہزاد، رستم و سہراب کی بہادری، جامِ جم یہ سب فارسی تلمیحات ہیں جو اردو میں منتقل ہوئیں۔ ڈاکٹر وقار احمد رضوی لکھتے ہیں:

> ’’فارسی کے اثر سے اردو شاعری کو ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اردو غزل نے بہت جلد ترقی کی منزلیں طے کر لیں۔ فارسی سے تغذیہ نے اس کو پختہ تر بنا دیا۔ ولیؔ تا داغؔ اردو کی غزلیہ شاعری کا پسِ منظر یکسر فارسی کا تتبع ہے۔ خاص طور سے غالبؔ، مومنؔ اور شیفتہؔ کے ہاں فارسی ترکیبیں زیادہ ہیں...... اردو شعرا کی معراج کمال یہ ہوئی کہ اردو شعرا کا مرتبہ متعین کرنے میں فارسی کے شاعروں کا حوالہ دیا جانے لگا۔ کہ فلاں شاعر کا غزل میں وہی مرتبہ ہے جو فارسی میں حافظؔ و خیامؔ کا۔ چنانچہ محمد قلی کو اردو کا حافظ و خیام کہا گیا۔ اسی طرح ذوقؔ کو قصیدے میں خاقانی ہند اور امیر خسروؔ کو پند و نصائح میں سعدی کہا گیا۔‘‘(۳۶)

اردو غزل پر فارسی کے اثر اور اس کے تتبع کے کئی اسباب ہیں۔ اس کا ایک بنیادی سبب یہ تھا کہ اس وقت ملک میں مغلیہ سلطنت کے زیرِ اثر فارسی دربار اور دفتر کی زبان تھی۔ فارسی کے تتبع میں غزل کہنا معیارِ قابلیت اور باعثِ فخر سمجھا تھا۔ غالبؔ جیسا بڑا شاعر تو اپنے اردو دیوان کو قابلِ اعتناء ہی نہیں سمجھتا تھا۔ وہ فارسی کو اس حد تک اہمیت دیتے تھے کہ لوگوں کو اپنا فارسی کلام پڑھنے کی تلقین کرتے تھے:

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگِ من است

دوسرے یہ کہ فارسی شاعری، قُرب شاہاں، وسیلۂ افزائشِ عزت اور جاہ و مال کا ذریعہ بھی تھی۔ محمد شاہ کے عہد تک فارسی ہی کی قدر و منزلت رہی۔ بیدلؔ، میر عبدالجلیل بلگرامیؔ، مرتضیٰ علی خان فراقؔ اور خان آرزوؔ و منہ کا مزہ بدلنے کے لیے فارسی سے ہٹ کر کبھی کبھی اردو میں شاعری کر لیا کرتے تھے۔

تیسرے یہ کہ اس وقت فارسی کا بازار گرم تھا اور وقت کے معنوی مزاج کا تقاضا یہ تھا کہ فارسی کے اثرات قبول کیے جائیں۔ فارسی ادبیات سے لوگ اچھی طرح واقف تھے۔

ڈاکٹر وقار احمد رضوی لکھتے ہیں:

> ’’ولیؔ کا دیوان آنے کے بعد جب فارسی کا پردہ اٹھا اور اردو اختیار کی گئی تو موضوع نہیں بدلے، مضامین وہی رہے، اسالیب اور علائم وہی رہے، صرف زبان بدلی یعنی اردو ہو گئی۔ بلکہ پہلے ریختہ ہوئی پھر موجودہ اردو کی شکل بنی۔ شاعری کے مسلّمات وہی رہے جو فارسی میں

تھے۔''(۳۷)

ہندو شعرا بھی اس دور میں فارسی التزامات کی پابندی کرتے تھے، جیسے آنند رام، ٹیک چند بہار وغیرہ۔ بادشاہ کی وجہ سے تمام اہلِ دربار اور اہلکار سب فارسی بولتے تھے اور اپنی فارسی دانی پر فخر کرتے تھے اور فارسی شعرا کی ہمسری کا دعویٰ کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔

کلاسیکی غزل کے موضوعات:

غزل چونکہ عربی قصیدے کی تشبیب یا نسیب کے بطن سے پیدا ہوئی، اس لیے بنیادی طور پر کلاسیکی غزل کے بیشتر موضوعات وہی ہیں جو کہ تشبیب یا نسیب کے ہو سکتے تھے۔ فارسی زبان و ادب میں غزل جیسے جیسے پروان چڑھتی گئی اس کے موضوعات کا دائرہ بھی پھیلتا گیا اور ہر نوعیت کے مضامین بیان کیے جانے لگے۔ اختر انصاری لکھتے ہیں:

> ''فارسی غزل عروج و کمال کی منزل تک پہنچتے پہنچتے ہر قسم اور ہر رنگ کے مضامین کو اپنے دامن میں جگہ دے چکی تھی۔ اس کے دائرہ کار کے حدود انسان کی ذہنی و روحانی جدو جہد سے لے کر زندگی اور زمانے کی ہمہ جہت کروٹوں سے وسیع و فراخ ہو چکی تھیں۔ تقریباً تمام انسانی سرگرمیاں کیا فکری، کیا عملی، کیا داخلی اور کیا خارجی۔ اس کی دسترس کی قلم رو میں شامل تھیں۔ ادبی تنقید کی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے موضوعات رومانی اور جمالیاتی بھی تھے اور منظری اور محاکاتی بھی۔ فکری وفلسفیانہ بھی اور سیاسی وعمرانی بھی۔''(۳۸)

فارسی غزل کے موضوعات میں اس قدر وسعت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ زندگی سے متعلقہ تمام رموز و اسرار کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ یہی غزل ہندوستان میں آئی اور یہاں کی ادبی محفلوں میں بہت جلد مقبول ہو گئی۔ اردوغزل کے موضوعات کا خاکہ فارسی غزل کے سائے میں تیار ہوا۔ اختر انصاری کے لفظوں میں:

> ''اس نے فارسی غزل کے موضوعات کو نہیں بلکہ موضوعات کی نوعیت کو اپنایا اور اس میں دیسی افکار و خیالات، جذبات و احساسات، تجربات و مشاہدات، داخلی و خارجی حالات اور عصری و مقامی رنگ و آہنگ کی شمولیت سے اتنی وسعت پیدا کی کہ غزل کا سرسری مطالعہ بھی اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔''(۳۹)

کلاسیکی دور میں غزل اپنے ابتدائی زمانے سے ہی موضوعات کی رنگا رنگی سے لبریز ہو گئی۔ اور اس نے فارسی سے نازک خیالی، وقوع گوئی، خیال بندی، ندرت فکر اور مضمون آفرینی حاصل کی اسی طرح اردو شعرا نے عشق حقیقی و مجازی ،ھجر و وصال، عاشق کی نیازمندی اور محبوب کی بے اعتنائی ،محبوب کے سراپا اور اس کے گندم گون حسن کی تعریف مے ورندی ،ریاکاری و دکھاوا ،زاہد و پیر مغان کے قصے ،تصوف وعرفان ،اخلاق وحکمت کے مضامین فارسی شعرا کے زیر اثر قبول کیے۔

حوالہ جات وحواشی:

(۱) القرآن۔النحل،۹۲۔
(۲) سعداللہ کلیم۔اردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادی۔لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء۔ص۱۷۔
(۳) ایضاً۔ص۱۸۔
(۴) راغب اصفہانی، مفردات القرآن۔(مترجم؛ محمد عبدہ)۔لاہور: المکتبہ القاسمیہ جامعہ قدس،۱۹۶۳ء۔ص۱۸۰۔
(۵) سعداللہ کلیم۔اردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادی۔ص۲۱۔
(۶) ایضاً۔ص۱۹۔
(۷) انوشہ،حسن،فرهنگنامۂ ادبی فارسی (جلد دوم)،تہران: وزارت فرهنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۷۶ش،ص۹۹۹۔
(۸) آنندراج۔فرہنگ آنند راج۔لکھنؤ: نول کشور، ۱۸۸۹ء۔ص۲۶۲۔
(۹) معین،فرهنگ فارسی،تہران: مؤسسہ انتشارات امیر کبیر،۱۳۶۲ش،ص۲۴۱۲۔
(۱۰) محمد الحق۔اردو غزل کی روایت اور ترقی پسند غزل۔دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۸ء۔ص۱۰۔
(۱۱) حالی،مولانا الطاف حسین۔مقدمہ شعرو شاعری۔لاہور: مکتبہ کارواں،۱۹۶۰ء۔ص۱۰۰۔
(۱۲) مسعود حسین رضوی ادیب۔ہماری شاعری۔لکھنؤ: نول کشور،۱۹۴۴ء۔ص۱۲۹۔
(۱۳) عبدالاحد خاں خلیل۔اردو غزل کے پچاس سال۔ص۲۰۔
(۱۴) سعداللہ کلیم۔اردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادی۔ص۲۱۔
(۱۵) عبدالاحد خاں خلیل۔اردو غزل کے پچاس سال۔ص۲۴۔
(۱۶) مسعود حسین رضوی ادیب۔ہماری شاعری۔ص۱۲۹۔
(۱۷) غلام آسی رشید۔اردو غزل کا تاریخی ارتقا۔دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء۔ص۱۳۔
(۱۸) ایضاً۔ص۱۴۔
(۱۹) شبلی نعمانی۔شعرالعجم (جلد پنجم)۔اعظم گڑھ: مطبع معارف، ۱۹۲۱ء۔ص۳۳۔
(۲۰) ایضاً۔ص۷۰۔
(۲۱) حامد اللہ افسر۔نقد الادب۔لکھنؤ: نول کشور،۱۹۳۳ء۔ص۱۴۵۔
(۲۲) شبلی نعمانی۔شعرالعجم (جلد پنجم)۔ص۳۱۔
(۲۳) ایضاً۔ص۳۲۔
(۲۴) صدیقی، ظہیر احمد۔فارسی غزل اور اس کا ارتقاء۔ لاہور: مجلس تحقیق و تالیف فارسی گورنمنٹ کالج لاہور، ۱۹۹۳ء۔ ص۲۷۲۔
(۲۵) صفا، ذبیح اللہ۔تاریخ ادبیات در ایران، (جلد اول)۔تہران: ۱۳۶۷ش،ص۳۹۲۔
(۲۶) شبلی نعمانی۔شعرالعجم (جلد پنجم)۔ص۵۲۔
(۲۷) ظہورالدین احمد۔ایرانی ادب۔اسلام آباد: مرکز تحقیقات ایران و پاکستان اسلام آباد، ۱۹۹۶ء،ص۴۲۔
(۲۸) وقار احمد رضوی۔تاریخ جدید اردو غزل۔ص ۲۹۔

(۲۹) ایضاً۔ص۳۰۔
(۳۰) امیر خسرو۔ دیباچہ غرۃ الکمال۔ مرتبہ؛ وزیر الحسن عابدی۔ اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۵ء۔ص۶۳۔
(۳۱) غلام آسی رشید۔ اردو غزل کا تاریخی ارتقا۔ص۱۷۔
(۳۲) محمود شیرانی، حافظ۔ پنجاب میں اردو۔ لاہور: مکتبہ معین الادب،س۔ن۔ص۶۳۔
(۳۳) ایضاً۔ص۶۴۔
(۳۴) میر تقی میر۔ نکات الشعرا۔ مرتبہ؛ عبدالحق۔ اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۵ء۔ص۹۰۔
(۳۵) غلام آسی رشید۔ اردو غزل کا تاریخی ارتقا۔ص۳۸۔
(۳۶) وقار احمد رضوی۔ تاریخ جدید اردو غزل۔ اسلام آباد: نیشنل بک فائڈیشن، ۲۰۰۰ء۔ص۳۲۔
(۳۷) ایضاً۔ص۳۴۔
(۳۸) اختر انصاری۔ غزل کی سرگزشت۔ علی گڑھ: ادارہ شعر و ادب، ۱۹۷۵ء۔ص۲۸۔
(۳۹) ایضاً۔ص۲۹۔

◁▷